Al-Azhār

Volume 9, Issue 1 (Jan-june, 2023)

ISSN (Print): 2519-6707

Issue: http://www.al-azhaar.org/index.php/alazhar/issue/view/20

URL: http://www.al-azhaar.org/index.php/alazhar/article/view/459

Article DOI: https://doi.org/ 10.5281/zenodo.8196529

Title Analytical Study of Asad Muhammad Khan's Poems

Author (s): Dr.Shahab ud Din,Dr.Taqwim ul Haq ,Dr.Muhammad Sulaiman

Received on: 26 January, 2023

Accepted on: 27 March, 2023

Published on: 25 June, 2023

Citation: Dr.Shahab ud Din,Dr.Taqwim ul Haq ,Dr.Muhammad Sulaiman , "Analytical Study of Asad Muhammad Khan's Poems:," Al-Azhār: 9 No.1 (2023): 226-241

Publisher: The University of Agriculture Peshawar

Click here for more

اسد محمد خان کی نظموں کا تجزیاتی مطالعہ

Analytical Study of Asad Muhammad Khan's Poems

*Dr. Shahab ud Din
**Dr. Taqwim ul Haq
***Dr.Muhammad Sulaiman

ABSTRACT

Asad Muhammad Khan is one of the modern poets. The number of his poems and songs is not much, but well written. Like Ghalib, He chose selected poetry and received appreciation from critics. Along with different experiences of structure, the colorfulness of the themes brings him to the ranks of modern poets. He has created poems mostly in symbolic and allegorical terms. He paints every subject related to life in his own individual color. He utilized Free and Blank verse as a mean of expressing his feelings. Sooraj, Saagar, Aiman, Albatross, Harmony, Ghora, he experimented on every topic and made the best creations. Despite 'Maut ki Nazmain', he do not despair and wants to enjoy life to the fullest. His poems are very touching and charming in terms of their composition. Free verse is a great medium to express ideas and he proved it true through his poems. His poems proved to be a breath of fresh air in modern Urdu poetry. His poems will, always be remembered, for the uniqueness of his style.

Keywords: *Asad Muhammad Khan, Free Verse, Blank Verse, Poetry, Symbol, Allegorical term,*

.....
*Lecturer, Islamia College Peshawar
**Lecturer, Islamia College Peshawar
***Lecturer, Islamia College Peshawar

اسد محمد خان کی ہمہ جہت شخصیت کئی رنگوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ وہ بیک وقت افسانہ نگار، شاعر، گیت نگار، خاکہ نگار، مترجم، ناول نگار اور سفر نامہ نگار ہیں۔ انھوں نے اپنی ادبی زندگی کی شروعات نظموں اور گیتوں سے کیا۔ انھوں نے ۱۹۶۰ء میں شاعری سے اپنی ادبی سفر کا آغاز کیا۔ ادبی رسالہ "سوغات" (جو کراچی اور بنگلور سے بیک وقت شائع ہو رہا تھا) میں ان میں ان کی کئی نظمیں مثلاً 'رات اور سیتا'، 'درشن'، 'نو منزلہ بلڈنگ' اور 'وندھیاچل کی آتما' پہلی بار شائع ہوئیں۔ ان کی شعری تخلیقات کا پہلا مجموعہ "کھڑکی بھر آسمان" کے عنوان سے ۱۹۸۲ء میں منظر عام پر آیا۔ اس مجموعے میں ان کی شاعری اور افسانے دونوں شامل ہیں۔ اس میں ۳ گیت، ۳۵ طبع زاد نظمیں اور ۸ ترجمہ کی ہوئی نظمیں شامل ہیں۔

اس مجموعے کے بعد انھوں نے نظمیں لکھنا تقریباً ترک کر دی البتہ کبھی کبھی مختلف کتابوں اور رسائل میں ان کی نظمیں چھپتی رہی۔ ان کی ایک نظم 'مناجات' کے نام سے مجموعہ "نربدا" میں شامل ہے۔ اس طرح ایک نثری نظم 'دریا اب میرا ہوا' ان کے افسانوی مجموعہ "تیسرے پہر کی کہانیاں" میں اور 'وداع' کے عنوان سے آٹھ نظمیں ان کی کتاب "یادیں: گزری صدی کے دوست" میں چھپ چکی ہیں۔

ان کی اولین نظم 'نو منزلہ بلڈنگ' رسالہ "سوغات" میں چھپا۔ ادبی حلقوں میں کافی پذیرائی ملی اور اردو کے ایک مشہور نقاد اور شاعر خلیل الرحمان اعظمی نے جدید شعراء پر اپنی تالیف "نئی نظم کا سفر" میں اس نظم کو شامل کیا ہے۔ فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی اور ناصر کاظمی نے ان کی کافی حوصلہ افزائی کی۔ ان کی ایک مشہور نظم 'کھڑکی بھر آسمان' کا جرمن زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ ساقی فاروقی نے 'نو منزلہ بلڈنگ' کی کافی تعریف کی ہے اور اسے نئی اور جدید نظموں میں ایک خوشگوار اضافہ قرار دیا ہے۔

اسد محمد خان کی زیادہ تر نظمیں تمثیلی اور علامتی پیرائے میں ہیں۔ ان نظموں میں مختلف النوع موضوعات پر طبع آزمائی کی گئی ہے۔ ان کے ہاں عشق کا تصور، ذات کا کرب، انسانی اقدار کی بازگشت، موت کا تصور، جنس کا تصور، فطرت، وقت کا جبر اور ماضی کی یاد کے حوالے کئی نظموں میں پائے جاتے ہیں۔ ان کی کئی نظموں میں انسانوں کے انفرادی اور اجتماعی مسائل کے حوالے سے جنم لینے والی معاشرتی مسائل بھی ملتے ہیں۔

"کھڑکی بھر آسمان" میں گیتوں کے بعد پہلی نظم 'لاحاصل' ہے۔ یہ نظم عشق کے تصور کے حوالے سے تخلیق کی گئی ہے۔ اس نظم میں یہی دکھایا گیا ہے کہ محبوب کا ملنا لاحاصل سہی لیکن اس کے باوجود اس کے

تصور سے وہ نجات نہیں پا سکتا اور اس کی خواہشوں کا واحد مرکز اس کا محبوب ہی ہے۔

جانتا ہوں کہ ہم تم بچھڑ جائیں گے
جانتا ہوں کہ دونوں ملے بھی کہاں
رات، لیکن مرے آسمان!
میں نے دیکھا مری آرزو کا سمندر تجھے چھو رہا تھا(۱)

یہ نظم انھوں نے ۱۹۶۴ء میں لکھی اور ایک فرد کے حوالے سے محبوب کے لیے بے قراری اس نظم کی اساس ہے۔ اسی طرح نظم 'سورج ساگر' میں بھی عشق کا تصور موجود ہے۔ یہاں شاعر اپنے محبوب سے محبت کا اظہار چاند اور سورج کے استعاروں کے ذریعے کرتا ہے۔ اس نظم میں شاعر نے یک طرفہ محبت کا اظہار کیا ہے اور محبوب سے کچھ نہیں مانگتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ اس کا محبوب ہمیشہ اس کی محبتوں کا محور بنا رہے اور اس کے محبت کے سمندر میں شاعر کا سورج ڈوب جائے اور اس میں فنا ہو کر وہ اپنے وجود کو محبوب کے وجود میں ضم کرے۔

ترے منظر پر کوئی چاند ابھرے
کچھ کہتا رہے تری لہروں سے
تو چاند کی چاہت میں پھولے
مجھے کیا لینا، مجھے کیا کہنا
مرے ساگر، میں وہ سورج ہوں
جو آگ شفق سب طے کرتا
بالآخر تجھے میں ڈوب چلا(۲)

شاعر کا اپنے لیے سورج کا استعارہ بہت خوب ہے جو حدت اور شفق دیتے محبوب کے لیے سمندر میں بالآخر ڈوب جاتا ہے۔

نظم 'سایہ سایہ' انھوں نے خود کلامی کے انداز میں لکھی ہے۔ اس نظم میں انھوں نے بادل اور برگد کا تقابل تمثیلی انداز میں پیش کیا ہے، یوں کہ بادل ہوا کے دوش پر رہتا ہے، اس لیے مسافر کو مستقلاً دھوپ سے نہیں بچا سکتا اور ایک دن وہ کڑی دھوپ میں آپ کو چھوڑ دے گا۔ اس کے مقابلے میں برگد کی جڑیں زمین کے ساتھ پیوست ہیں اور ہر موسم کا مقابلہ کرتا ہے۔ اس لیے زمین سے جڑے رہنے والوں کا ہی اعتبار کرنا چاہیے۔

بادل کا کیا ہے، ابھی ہے تو ابھی نہیں ہے۔ اس کا ساتھ پل بھر کو ہے جبکہ برگد آپ کو کبھی بھی اکیلا تنہا کڑی دھوپ میں نہیں چھوڑے گا۔

یہ بادل۔۔۔ وہ برگد ہے
اور برگد بہت بڑا ہے
باہر دھوپ وہی ہے اب تک
اب تک وہی ہوا ہے
اس بادل کے جائے سائے کتنی دیر رہو گے آخر دھوپ سہو گے
ہوا چلے، بادل چھٹ جائے دکھ نہ اٹھانا
بس لوٹ آنا، برگد قدم جمائے کھڑا ہے
برگد بہت بڑا ہے

نظم 'حاسد' میں انھوں نے عشق کا تصور پیش کیا ہے جو سمندر بن کر اپنے محبوب سے محبت کا اظہار بھی کرتا ہے اور رقابت میں سب کچھ ختم کر کے بہالے جانا چاہتا ہے۔ چاندنی راتوں میں وہ طغیانی بن کر ریت پر بنے ہر نشان کو مٹانا چاہتا ہے۔

ایک دن چاندنی کے سحر میں
ریت پر اپنا جنون تحریر کرنے آؤں گا
دوسرے سب خواب، ساری چاہتیں، سارے نشاں
میں سمندر رہوں بہالے جاؤں گا

عشق میں رقابت کا جذبہ ایک اٹل حقیقت ہے اور انھوں نے اس جذبے کی خوبصورت عکاسی کی ہے۔

اسد محمد خان نے موت کو انتہائی قریب سے دیکھا ہے۔ موت اور فنا کا تصور ان کی نظموں اور افسانوں میں موجود ہے۔ ۱۹۵۰ء میں جب وہ ہندوستان سے پاکستان آئے تو انھیں پے در پے کئی حادثات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس سلسلے میں عقیلہ اسماعیل اپنے مضمون 'جمالیاتی ذوق کا امین' میں لکھتی ہیں:

"پاکستان آنے کے بعد ہی عرصے بعد انھیں اپنے بھائی کی موت کا صدمہ برداشت کرنا پڑا جو اپنڈکس کی سوزش کے نتیجے میں انیس بیس برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔۔۔۔ بعد میں ۱۹۷۹ء میں اسد محمد خان کو ایک اور الم ناک تجربے سے گزرنا پڑا۔ جب ان کے چھوٹے بھائی، جو سندھ میں ایک بینک منیجر تھے، ایک حادثے میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ لگتا ہے کہ ان اموات کا اسد محمد خان پر نہ مٹنے والا اثر ہوا۔"(۳)

اس طرح ان کی کئی نظموں کا موضوع موت ہے۔ نظم 'آدھی رات کا سورج' میں بھی موت ہی کا تصور موجود ہے۔ جب موت اچانک آتی ہے تو انسان ایک لمحہ کے لیے دم بخود رہ جاتا ہے۔

کسی چوکھٹ پر چوکیدار لاٹھی کھٹکھٹاتا ہے
وہ کھڑکی کھل گئی
اک ریلوے انجن، ٹھکی ہاری بسیں، کج بحث کتے
الجھنیں، محرومیاں لو پھر قطار اندر قطار آئیں
وہ کھڑکی کھل گئی پھر موت درّاتی چلی آئی

یہ نظم دو حصوں پر مشتمل ہے۔ دوسرے حصے میں شاعر تاریک رات میں روشنی کی کرن جو کہ امید کی کرن ثابت ہوتی ہے، شاعر کو حالات سے لڑنے کا حوصلہ دیتی ہے۔ اسے ہر حالت میں زندگی گزارنی ہے۔

صبح کی پہلی کرن کے جاگنے تک
موت، ہر ذی روح کو، بے روح کو ڈستی رہے گی
صبح تک ڈستی چلی جائے گی
لیکن وقت کے بے اماں گوشے میں تم زندہ رہو گے
تم جو کل موت کی تاریک راتوں میں رہے
اس رات اک سورج کے مالک ہو
کسی نے اس دریدہ آستیں پر آج، اک آنسو سجایا ہے

'موت کی نظمیں' کے عنوان سے شامل ان نظموں میں تنہائی، خوف اور موت کے مناظر قارئین پر ایک سوگواریت کی سی فضا طاری کرتی ہے۔

نظم 'نو منزلہ بلڈنگ' ان کے ابتدائی دور کی نظموں میں سے ایک ہے جس کی ادبی حلقوں میں خوب پذیرائی کی گئی۔ اس نظم کو اردو کے مشہور شاعر ساقی فاروقی نے بہت پسند کیا اور جدید نظموں کے حوالے سے اس کی تعریف کی۔ اس نظم کو کوئی ایک دوسری زبانوں میں ترجمہ کیا جا چکا ہے۔ اس میں فرد کی ذات کے حوالے سے اس کرب کا اظہار کیا گیا ہے جو انسان محسوس کرتا ہے۔ انسان پر جب ذمہ داریوں کا بوجھ پڑتا ہے تو وہ اس وقت خود کو بہت بے بس محسوس کرتا ہے۔

انھوں نے تمام نظموں میں نئی ترکیبیں، تشبیہیں، استعارات، تمثیلات اور علامتیں استعمال کی ہیں اور ان شعری اوصاف سے انھوں نے حسن کاری کے ساتھ ساتھ نظم کے بنیادی موضوع سے متعلق شاعر کے فکری و جذباتی رد عمل کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ مگر 'نو منزلہ بلڈنگ' میں خاص طور پر انھوں نے علامات اور تماثیل کے ذریعے فرد کی داخلی و خارجی دنیا کے تموجات کو خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ وہ تخلیقی تجربے کی ترسیل کے ذریعے نئے نئے مفاہیم تلاشتے ہیں۔

زمین کا رقص پیہم، زمہریری کہر، زنجیرِ کشش، شانے
اور اک نو منزلہ بلڈنگ
اور اس نو منزلہ بلڈنگ کو ان ناتواں شانوں کی
باقی ماندہ قوت سے سہارے
اس افسردہ شہر کی سب سے بڑی فٹ پاتھ پر ٹانگیں پسارے
ہر گزرتے واہمے کو تکنے والا۔۔۔ میں

انھوں نے نو منزلہ بلڈنگ کی علامت اس بوجھ اور احساس کو قرار دیا ہے جو صدیوں سے ایک فرد کی ذمہ داری ہمارے معاشرتی رویوں نے اس پر عائد کی ہے۔ وہ قت کی جبریت کو اپنے رگ وپے میں محسوس کرتے ہیں۔

خداوندا! یہ برفیلی ہوا تھی یا کوئی لمحہ
صبار فتار لمحہ، برق دم لمحہ، جو میری انگلیوں کے
درمیاں سے خواب کی مانند گزرا
کیا مرورِ وقت جاری ہے؟

اپنی شناخت کے لیے سرگرداں شاعر کو حالات نے کچھ اس قدر جھگڑ کر رکھا ہے کہ وہ اپنی زندگی کا ثبات بھی چاہتا ہے اور وقت کا نوحہ کر کے وہ ان گریز پا لمحوں سے چھٹکارا بھی چاہتا ہے۔

نظم 'ایمن کا حال' میں بھی عشق کا تصور موجود ہے۔

یہ ترا چہرہ، سلونا سانولا چہرہ
یہ چہرہ، جیسے ایمن کا خیال
رات کا پچھلا پہر، یا نرم مٹی کی مہک
یا عہد ماضی کا جمال
ان گنت سرگوشیوں کی بازگشت
ان زمانوں کا نشاں، جب میں نہ تھا
ان زمانوں کا نشاں، جب تو نہ تھا

نظم 'قرض' ذات کے کرب کے حوالے سے ہے۔ ۱۹۶۳ء میں لکھی گئی اس نظم میں انھوں نے ان اذیت ناک لمحوں کو یاد کیا جب اسے سہارے کی اشد ضرورت تھی مگر ان کے پاس کوئی نہ تھا۔

اک عدن جل رہا تھا۔۔۔ نگہبان خدا
اس گھڑی ساتویں آسمان پر نہ تھا
اور ازل سے ابد تک احاطہ کیے
ایک افعی کی منحوس آواز تھی
اور خدا میرے شام و سحر میں نہ تھا
میرے گھر میں نہ تھا اور خدا؟
جو دبے پاؤں کھڑکی سے پیچھے ہٹا
جو میرے ساتھ سونی سڑک پر رُکا
یک بیک منفعل، ہچکیوں میں بکھرنے لگا
اک جلالِ رواں میرے ہمراہ گلیوں میں چلنے لگا

نظم 'آنکھوں کا جھوٹ' میں گیت کی مہک رچی ہے۔ عشق کا تصور بھی ہے اور محبوب کو، آنکھوں

میں اسے جو پیغام ملتا ہے، اس پر یقین نہیں آتا۔

سپنا ہو گا، سایہ ہو گا
پل بھر کے لیے جو آیا تھا
یا نیند بھری ان آنکھوں نے آنکھوں سے جھوٹ کہا ہو گا

اسی طرح نظم کے دوسرے بند میں انھوں نے ہندی الفاظ کے مدھر لہجے میں محبوب کے لیے پیار بھرے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

وہ اُجلے درپن کی مورت
جو چتر بھون میں گھوم رہی
انجانے سپنے کی صورت
ہر سمے نئی پہچان لیے
وہ اک صدی میں ایک پند میں ایک جنم!
کانٹوں کی چتا میں جلتا بلتا ایک جنم
وہ بے شمار میں ایک بار
میں ایک بار جل بجھا اگر تو کیا ہو گا

نظم 'سورج کے جلتے وہار میں' میں انھوں نے ماضی کا کرب، دکھ اور اذیت ناک لمحوں کو احساس کی لڑی میں بیان کیا ہے۔ سورج ایک استعارے کے طور پر ان کی کئی نظموں میں موجود ہے۔

سورج کے جلتے وہار میں
بس گئی بسنتی رنگ بھری بدری
کہ بدری رس گئی اک رُت کی
یہی ناچ امر، یہی کھیل امر
کیا گئے دنوں کا پچھتاوا
کیا نئی رُتوں کا بہلاوا

اسد محمد خان کے ہاں نہ تو تکنیک کی کمی دکھائی دیتی ہے اور نہ موضوعات کی۔ نظم 'البیٹراس' میں

انھوں نے تخلیقی کرب کو موضوع بنایا ہے۔ جب انسان رزق کی تلاش میں سرگرداں پھرتا رہتا ہے اور ساتھ ساتھ وہ تخلیق کے کرب سے بھی گزرتا ہو۔ اس نظم میں شاعر نے 'البیٹراس' کو جو ایک نحوست کی علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔ یہ پرندہ ہر وقت بے چین، بے قرار اور سرگردان و پریشان چیختا رہتا ہے۔

میں تو یہ بھی چاہتا تھا کہ شام کو گھر لوٹوں
تو نرم روئیوں کی آسائشیں میری جیب میں ہوں
مگر یاروں نے غضب کیا
کہ میری گردن میں زندہ البیٹراس لٹکا دی

البیٹراس کو یہاں شاعر نے اذیت اور کرب کی علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اس کے ساتھ تخلیقی عمل کے تسلسل میں وہ کئی بار سنگسار بھی ہوا اور اس بازار میں معتوب ٹھہرے۔

میں اپنے کچے لفظوں کی پہلی فصل اٹھائے بازار میں پہنچا
تو دوسرے بیوپاری اور سب خریدار اور رہگیر
مجھ کو دیکھ کر برہم ہوئے
اور انھوں نے پتھر مار مار کر مجھے اٹھا دیا
مجھے میرے بچوں نے گھر میں داخل نہ ہونے دیا

اس نظم میں انھوں نے تخلیقی کرب اور بے چینی، جو ہر سچے لکھاری کی قسمت میں ہوتی ہے، انتہائی خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔ انھوں نے اپنے تخلیقی سفر کی شروعات اور پھر اس کے تسلسل میں اور دوستوں کی فرمائش پر اس کو جاری رکھنے کے عمل کو بیان کیا ہے۔

انھوں نے جو کچھ قارئین کو پہنچانا چاہا، اس کے لیے مختلف انداز اور سانچے استعمال کیے۔ ان کے ہاں عام طور پر سیدھے سادے مگر خوبصورت الفاظ و تراکیب کی مدد سے اور بعض اوقات تشبیہ، استعارے اور تمثیلی پیرائے میں اظہار مکمل کرتا ہے۔ وہ بعض اوقات واضح انداز میں اپنا مافی الضمیر بیان نہیں کرنا چاہتا، ایسے حالات میں وہ بعض علامتوں سے کام لے کر اپنی بات کہتا ہے۔ معاشرتی جبر، حکومتی استبداد یا کوئی دوسرے عوامل علامت نگاری کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ انھوں نے نظم نگاری کے ذریعے نیا طریقہ اظہار تلاش کیا۔ تشبیہ و استعارے کے ساتھ ساتھ تمثیل نگاری اور علامتی زبان سے نظم کا نیا شعری پیکر بنایا۔ اس

سلسلے میں ڈاکٹر محمد حسن اپنے تنقیدی مضمون 'معریٰ اور آزاد نظم کا ارتقاء' میں لکھتے ہیں۔

"الفاظ خیالات کے پیکر بھی ہوتے ہیں اور اس کا نقاب بھی۔ ان کی مدد سے شاعر جذبے کی شدت اور خیال کی تازگی کو نکھارتا ہے اور یہی الفاظ جب روایتی چلن سے گھسے پٹے ہو جاتے ہیں تو زندہ حقیقتوں کے بجائے مردہ خیال بندی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ علم بیان کے اکثر شعبوں کا یہی حال ہے۔ قافیہ ہو یا تشبیہ و استعارہ جب خیال کا تابع نہ ہو بلکہ خیال کا بدل بننے لگے تو شاعری کے حق میں بجائے رحمت کے لعنت بن جاتا ہے۔ اچھا شاعر وہی ہے جو لفظوں کی روایتی بے نمکی پر خیال کا مکمل اقتدار قائم کر سکے۔"(۴)

اسد محمد خان کی نظموں میں احساس کے خلوص اور انفرادیت کی عکاسی قاری کو متاثر کرتی ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں آزاد نظم کو چنا، کیوں کہ وہ اپنے خیال کے تسلسل میں روانی کے لیے آزاد نظم سے زیادہ اور کسی صنف کو نہیں پاتے کیوں کہ روایتی شاعری کے ذریعے ردیف و قافیہ کی پابندی سے اکثر شاعر کا ذہن اپنے معنی کو بھول کر قافیے کی مناسبات میں گم ہو جاتا ہے۔ وہ شاعرانہ تلمیحات اور تشبیہات سے زبان کو عام بول چال کی زبانوں سے علیحدہ کرنے کے حق میں نہیں مگر اس کے باوجود تمثیلی اور علامتی پیرائے میں ادا کی گئی نظمیں ابلاغ میں رکاوٹ کا سبب بنتی ہیں۔

ان کی نظموں میں ن م راشد کی طرح کلبیت اور تشکیک کا لہجہ بار بار ملتا ہے۔

اور خجالت کی یہ رات
اک سرد پتھر پہ تکیہ کیے
میری بانہوں میں بانہیں دیے
میرے معبود نے
قہرماں کرب میں کاٹ دی
اور عدن جل بجھا

ذوالجلال آنسوؤں کے طفیل آج بھی
ہر نفس اک سلگتا ہوا فرض ہے
اک نیا گھر مقدس گھروں کی قسم
میرے معبود پر آج بھی قرض ہے

علامت شعر کے حسن میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔ خاص کر جنسی مسائل اگر جوں کے توں بیان کیے جائیں تو اعلیٰ اور جمالیاتی قدروں کے ساتھ شعر میں نہیں کھپ سکتے۔ ان کے ہاں بھی میر اجی کی طرح جہاں جنسی حوالہ ہے، وہاں علامت کا استعمال ضرور کیا گیا ہے۔ انھیں علامتوں کی زبان پر دسترس ہے۔ بعض اوقات وہ دقت پسندی کی طرف نکل جاتے ہیں مگر زیادہ تر واضح فضا ملتی ہے۔ چاند، سورج، سمندر، بادل، ندی، رات، چاندنی وغیرہ ان کی محبوب علامتیں ہیں۔ نظم 'تانڈو نرّت' اسی پس منظر میں لکھی گئی ہے:

وہ آ رہا تھا، وہ اپنا فے لس کمر سے باندھے
علامتوں اور بشارتوں اور ہندسوں کی
ہزار خودکار سیڑھیوں سے اتر رہا تھا
وہ آنسوؤں اور اداس روحوں کے گیت گا رہا تھا
وہ آ رہا تھا

انھوں نے اس نظم میں فے لس (جنس) کو انسانی تخلیق اور انسانی بقا کی علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔ انھوں نے یہ تصور پیش کیا ہے کہ جنس ہی ہے جس کی وجہ سے اس دنیا کی شادابی قائم ہے اور اس سے انکار تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ انھوں نے جس دیوتا کی تخلیق کی ہے وہ بالکل مناسب ہے کیوں کہ ہندو مذہب میں شیو کی فے لس کی پوجا کی جاتی ہے۔ اس کا تصور یہی ہے کہ یہ آنے والی نسلوں کے لیے تخلیق اور بقا کی بشارت ہے۔

سو اس نے دو انگلیاں اٹھائیں
اور اپنی بے تاب انگلیوں سے
ہزارہا فحش علامتیں بنائیں
پھر اس نے اپنے سفید ہاتھوں کو آسمان کی طرف بڑھایا
ہمیں دعا دی
ہمیں دعا دی کی بیسواؤں کے بستروں پر
ہمارے ملبوس گندگی سے بچے رہیں

ان کی نظمیں گو بظاہر بے ترتیب ہیں لیکن ان میں موسیقی اور آہنگ کا بڑا سلیقہ ہے۔ ان کی شاعری لاشعور کی داستان ہے لیکن اس کو بیان کرنے میں انھوں نے ربط اور ترتیب کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔

ایمائیت ان کا مخصوص ذریعہ اظہار ہے۔ وہ علامتوں کے ذریعے جنس کے ٹیڑھے میڑھے تصورات کو پیش کرتا ہے۔ فے لس، غلیظ پانی پھرے مثانے، مرغزار، سمندر اور چاند وغیرہ کو مختلف جنسی اور نفسیاتی علامتوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کے الفاظ جذبے اور احساس تک رہنمائی کرتے ہیں۔ ان کے ہاں الفاظ معنویت کے لحاظ سے نہیں آتے بلکہ اشاروں کی حیثیت سے آتے ہیں۔ انھوں نے آزاد نظم کو ہیئت اور آہنگ کے اعتبار سے مکمل طور پر برتا ہے۔ ان کی شاعری میں مایوسی، خلاء اور نفسیاتی الجھنیں موجود ہیں۔ ان کے ہاں جدید حالات کے جدید تقاضوں کے مطابق اظہار و ابلاغ کی نئی راہوں کا پتہ ملتا ہے۔ انھوں نے جدید نظم کو نئے خطوط پر استوار کیا ہے۔ موضوعات و مضامین کے ساتھ ساتھ ہیئت اور عروض میں بھی تبدیلیاں کی جس سے اظہار کی راہیں آسان اور سہل ہو گئیں۔ اس سلسلے میں ان کی نظم 'ایک عبادت کا گیت' پیش کیا جا سکتا ہے؛

ہیلّے لُویاہ! ہیلّے لُویاہ!
میں بڑی قدرت و شان والا ہوں
کہ نیم قد بوزنوں کے درمیاں سے گزرتا ہوں
تو اپنے قامت کا اثبات کرتا ہوں
اور زمیں پر اینڈتا ہوا چلتا ہوں
اور زمین پر بڑی دھمک سے میرے قدم پڑتے ہیں

ان کی ایک اور نظم 'تین مختصر آڈیو وژول نوحے' ہیئت کے حوالے سے بالکل نئے تجربے کی حامل نظم ہے۔ اس نظم میں انھوں نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی تکنیک سے کام لے کر بالکل انوکھا تجربہ کیا ہے جو اس سے پہلے شاید ہی کسی اور شاعر کے ہاں ملتا ہو۔ انھوں نے اپنی شاعری میں مروجہ تشبیہات، استعارات اور علامات سے انحراف کر کے بالکل نئے اور اچھوتے الفاظ تخلیق کیے ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے ہندی شاعری سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی نظموں میں بعض اوقات وضاحت، صراحت، آسانی اور سہولت کی بجائے ابہام اور غیر واضح پن آ جاتا ہے۔ جب نئی ہیئت میں قدیم طرزِ احساس یا قدیم ہیئت میں جدید طرزِ احساس نمودار ہو تو ابہام ایک فطری عمل ہے۔

ان کی شاعری میں امید بھی ہے اور شکست کا احساس بھی۔ ان کی شاعری کا انسان نئے اور جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کے لیے جدوجہد کر رہا ہے۔ ان کے ہاں افسردگی ایک آفاقی قدر کی طرح ابھرتی

ہے۔ ان کے ذہن میں جو بھی تصور یا خیال ابھرتا ہے، اس کے اظہار کے لیے عام زبان سے ہٹ کر خاص اور مناسب الفاظ کی تلاش کرتا ہے جو ان کے تصورات سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہوں اور اس اجنبیت کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ قارئین بھی شاعر کے نقطۂ نظر سے اپنے ذہن کی حرکت کو شروع کریں ورنہ اس کی تخلیق میں ابہام نظر آئے گا۔

ان کی نظمیں کسی ایک خاص ڈھانچے کے تابع نہیں بلکہ ہر بار ایک نیا لباس پہن کر ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں نظم ہر بار اپنی ایک نئی ہیئت لے کر برآمد ہوتا ہے۔

سرکار کوئی جان گلکرائسٹ صاحب آتے ہیں
بٹھاؤ۔۔۔ پوچھو کیا شوق فرمایئے گا؟
حضور،۔۔ کہتے ہیں پولو کھیلوں گا
تو اپنے میر امن کو بھیج دو

ان کی شاعری کا اصل محرک اس عہد کی ایک گہری فکر اور شدید جذبہ ہے جو انھیں نئی راہوں کی تلاش و جستجو پر مجبور کرتا ہے۔ ان کی شاعری میں سیاست کا نیا تصور، تہذیب کی نئی چمک، معاشی زندگی کے نئے رشتے اور جنس کا نیا عرفان موجود ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی نظمیں ماضی کو اپنی آغوش میں سمیٹے ہوئے اَن دیکھے افراد سے رشتہ جوڑتا ہے۔ ان کے ہاں عصری مسائل کا گہرا شعور بھی ہے اور ذاتی دکھ اور کرب کا اظہار بھی۔

اُپلے تھاپتے
آخر تم شرماتی کیوں ہو؟
مڑ مڑ کے کیا دیکھتی ہو؟
لوگ تو اپنے برے کام کی سند بھی
آسمانی کتاب سے لاتے ہیں
جو جیسے چاہے استعمال کرے

ان کی نظموں میں محبت ایک خاص محبوب پر اپنی توجہ مرکوز کر دیتی ہے اور یوں محبوب کی انفرادیت کو ابھار دیتی ہے۔ گویا محبوب بھی گوشت پوست کی ایک منفرد ہستی ہے۔ ان کا محبوب معصوم بھی ہے اور دلآویز بھی۔ البتہ اس مکار اور فریبی دنیا کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ اس لیے شاعر اسے دنیا کی

اونچ نیچ سمجھاتا ہے کہ تمھیں اپنے ہاتھوں پر بھروسہ ہونا چاہیے۔

اسد محمد خان علم موسیقی سے آگاہی رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنی گیتوں اور نظموں میں اس نغماتی بہاؤ سے بہت کام لیا۔ اس بہاؤ اور موسیقی سے وہ ایک خاص قسم کا ڈھانچہ تیار کرتا ہے۔ اس طرح ان کی نظموں میں طبلے کی سُر تال کی کیفیت نمایاں ہوتی ہے۔

تو اب ٹین بجاؤ
اور منہ پر کلائی رکھ کر بکرا بلاؤ
کہ ہم نے ستار کے کدو میں
بجلی کے برے سے
سات سوراخ کر دیے ہیں
سارے گاماپادھانی

ان کی شاعری میں یادوں کے دھندلے نقوش بار بار ابھرتے, ان نقوش کے پیچ و خم میں ان کے سارے احساسات سموئے رہتے, ان کی نظموں میں ایک ایسا دائرہ جن میں خیالات بار بار چکر لگاتے ہیں، گناہ اور ثواب دونوں ملے جلے، پہلو بہ پہلو زندگی کی تاریکی میں ڈگمگاتے ہوئے ایک نامعلوم منزل کی طرف چلے جاتے ہیں۔

ہم سب ۳۵۔۳۵ برس کے اینگری ینگ مین ہیں
اسی لیے اپنے بچوں پر خفا ہوتے ہیں
اور اسی لیے فری لو کے نام پر
ہمارے پیٹ میں
اور پیٹ کے نیچے اینٹھن ہونے لگتی ہے
اور اسی لیے ہم ۲۴ نمبر کا پولی کلور استعمال کرتے ہیں
اور اللہ نے چاہا تو دو چار برس میں
ہمیں تصوف ہو جائے گا

آزاد اور معریٰ نظم لکھنے والے شاعر اسد محمد خان خیال کی تابناکی کو بنیادی اہمیت دیتا ہے اور پٹے پٹائے اور آزمودہ کار نسخوں کو نظر انداز کر کے نئی ترتیب کے ساتھ اپنی نظم میں موسیقی اور آہنگ قائم رکھنے

کے چیلنج کو قبول کرتا ہے۔ ان کی نظموں کو پڑھ کر قاری کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ کس حد تک مربوط فکر کے اہل ہیں اور اس کا فکری ذخیرہ کس قدر ہمہ گیر اور مربوط ہے۔ انھوں نے اپنی نظموں کے ذریعے ثابت کیا ہے کہ آزاد اور معریٰ نظموں میں بھی قافیے کی رکاوٹ کے بغیر مربوط اور باوزن باتیں کہی جا سکتی ہیں۔ قدیم روایتی پابندیوں سے ہٹ کر نئے سائنٹفک فلسفیانہ اور عمرانی مسائل پر اظہار خیال کیا جا سکتا ہے۔ وہ محض پرانے مضامین دہرانے کے بجائے نئے عملی تصورات کو شعر کے پیکر میں خوش اسلوبی سے ڈالتے ہیں۔ ان کی نظموں میں خیال کی تابانی اور جدت طرازی اک عجیب لالہ زار کھلاتی ہے۔ انھوں نے موسیقی اور دوسرے فنونِ لطیفہ کو بھی نئے ذریعۂ اظہار کی مدد سے نظموں میں سمونے کی سعی کی ہے۔ عہدِ حاضر کے تہذیبی رزمیے کے اظہار کے لیے نظم کی سب سے موزوں صنف آزاد نظم ہی کہ جا سکتی ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا اپنے مضمون 'غزل اور نظم کا بنیادی فرق' میں نظم کے حوالے سے لکھتا ہے

"شاعر جب نظم لکھتا ہے تو اپنی محبت کے اس تجربے کو بیان کرتا ہے جس کی مثال نہ پہلے موجود تھی اور نہ جس کا آئندہ وجود میں آنا قرینِ قیاس ہے۔ گویا وہ اپنی محبت کو ایک شخصی تجربے کے رُوپ میں پیش کرتا ہے اور اس لیے محبت اپنی انفرادیت کا فی الفور احساس دلاتی ہے۔"(۵)

ڈاکٹر وزیر آغا مزید لکھتا ہے:

"نظم میں شاعر نے براہ راست اشیا اور حقائق سے رابطہ استوار کیا۔ چنانچہ نظم میں جب شاعر کسی خاص چیز کا ذکر کرتا ہے تو اپنے تجربے کی بنا پر کرتا ہے اور یہ چیز اپنے حقیقی خدوخال کے ساتھ اس کے کلام میں ابھرتی ہے۔"(۶)

ان کی نظم 'گھوڑا' ایک علامتی نظم ہے۔ اس نظم میں انھوں نے گھوڑے کے متعلق جو تشبیہات نظم کی ہیں، اس سے گھوڑے کی پہلی بنیادی صفت کہ وہ ایک 'متحرک قوت' ہے، ظاہر ہوتی ہے:

میں گھوڑے کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں
وہ اولین شجر ہے۔۔۔
وہ بانس کے جنگل کی طرح راتوں رات اگتا ہے
وہ ہواؤں کو سنسناتے ہوئے گزرنے کی اجازت دیتا ہے

اس تناظر میں گھوڑے کی علامت شاعرانہ تخیل کی طرف مائل ہے۔ اس طرح ان کی نظم 'کھڑکی بھر آسمان' میں بھی علامتی اور تمثیلی پیرائے میں شاعر تصورِ حیات کی تشریح کرتا نظر آتا ہے۔

بائیں ہاتھ پر آسمان دوڑ رہا ہے
اور مجھے زنجیر پر اور نیند پر کوئی اختیار نہیں
کہ میرے بائیں ہاتھ پر تم بیٹھے ہو
اور دائیں ہاتھ پر دیوار سے ٹیک لگائے موٹا اونگھ رہا ہے
اور کھڑکی سے جس قدر آسمان تم کو نظر آتا ہے وہ تمھارا ہے
اور جس قدر آسمان مجھ کو نظر آتا ہے، وہ میرا ہے

اسد محمد خان کی نظمیں موضوع اور فن دونوں اعتبار سے بہت معیاری ہیں۔ انھوں نے زندگی کی مختلف کیفیات و احساسات کو فرد کے حوالے سے پیش کیا ہے۔ عبدالرحمٰن اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"اسد محمد خان نے جو تشبیہیں، استعارے، تمثیلیں اور علامتیں استعمال کی ہیں وہ نظم کے بنیادی موضوع سے متعلق ان کے فکری و جذباتی ردعمل کا اظہار کرتی ہیں۔ اس نے اپنے تخلیقی تجربے کی ترسیل کے لیے زبان کو نئے سرے سے تشکیل دیا ہے۔"(۷)

الغرض اسد محمد خان کی نظموں کا کینوس انتہائی وسیع ہے۔ زندگی کا ہر موضوع ان کے ہاں موجود ہے۔ زندگی سے لے کر موت تک ہر موضوع کا احاطہ کیا ہے۔ آج کے جدید نظم گو شعراء میں ان کی انفرادیت بہر حال قائم ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اسد محمد خان، کھڑکی بھر آسمان، ابنِ حسن پریس کراچی، ۱۹۸۲ء، ص ۱۹
Asad Muhammad Khan, Khirki Bhar Aasman, Ibn-e-Hasan Press Karachi, 1982, P. 19

۲۔ ایضاً، ص ۲۰
Ibid, P. 20

۳۔ عقیلہ اسماعیل، جمالیاتی ذوق کا امین مشمولہ چہار سُو، شمارہ جنوری فروری، ۲۰۰۸ء، ص ۲۳
Aqeela Ismail, Jamaliyati Zauq ka Ameen mashmoola Chahar Soo, Jan-Feb 2008, P. 23

۴۔ ڈاکٹر محمد حسن، معریٰ اور آزاد نظم کا ارتقاء مشمولہ اردو شاعری کا فنی ارتقاء، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء، ص ۱۴۰
Dr. Muhammad Hassan, Muarra aur Azad Nazm ka Irtiqa mashmoola Urdu Shairi ka Fanni Irtiqa, Dr. Farman Fatehpuri, Al-waqar publications, 2007, P. 140

۵۔ ڈاکٹر وزیر آغا، نظم اور غزل کا بنیادی فرق مشمولہ اردو شاعری کا فنی ارتقاء، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء، ص ۱۶۲

Dr. Wazir Agha, Nazm aur Ghazal ka Bunyadi Farq mashmoola Urdu Shairi ka Fanni Irtiqa, Dr. Farman Fatehpuri, Al-waqar publications, 2007, P. 162

۶۔ ڈاکٹر وزیر آغا، اردو شاعری کا مزاج، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۲۷۹

Dr. Wazir Agha, Urdu Shairi ka Mizaj, Majlis Taraqi-e-Adab, Lahore, 2008, P. 279

۷۔ عبدالرحمٰن، اسد محمد خان کی ادبی خدمات، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۲۰۱۶ء، ص ۳۴۶

Abdur Rahman, Asad Muhammad Khan ki Adabi Khidmat, Thesis for Ph.D, Aligarh Muslim University, 2016, P. 346